بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا عورت عدالت سے خلع حاصل نہیں کر سکتی؟

اسلامی نظریاتی کونسل کی تازہ سفارش کا ناقدانہ جائزہ

انسانی معاشرے میں سب سے اہم سوال مرد وزن کے باہمی فرائض و حقوق اور تعلقات کا ہے۔ کیونکہ نسل انسانی کو دو صنفوں میں پیدا کیا گیا ہے، اور ان دونوں کا باہمی ارتباط اور ضابطہ و نظام کیا ہونا چاہیے؛ اس پر ہی انسانی زندگی کے بنیادی پہلوؤں کا انحصار ہے۔ اسلام کا عظیم احسان یہ ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ پر وہ ایک بڑا معتدل و متوازن نظام پیش کرتا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہر دو صنفیں سکون واطمینان کے ساتھ حیاتِ مستعار کے ایام گزار سکتے اور دنیا وآخرت میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز ہوسکتے ہیں۔ آج مغربی اقوام میں یہی سوال بنیادی سیاسی اہمیت بھی اختیار کر گیا ہے کہ بہت سے مغربی ممالک نے ہم جنس پرستی کی شادی اور تعلقات کی اجازت دے دی ہے اور اس بنیادی مسئلہ پر ہی وہ فطرتِ انسانی سے انحراف کر بیٹھے ہیں۔ وہ بے چارے اتنی بنیادی رہنمائی سے ہی محروم ہیں۔

انسانی زندگی کا سب سے بڑا پہلو مرد وعورت کا آپس میں ایک رشتہ میں منسلک ہو کر رہنا ہے۔ شادی بیاہ کے قوانین شرعِ اسلامی نے بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں، اور بالفرض میاں بیوی میں نباہ کرنا مشکل یا ناممکن ہو جائے تو اس کے بھی اسلام نے بڑے متوازن حل بتائے ہیں۔ ان احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن سے قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ ہمیں آگاہ کرتی ہیں۔ اسلام نے نکاح کے سلسلے میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی اور حقوق کا برابر طور پر خیال رکھا ہے۔ کوئی ایسا نکاح، جس میں مرد وعورت کی رضامندی یکساں طور پر شامل نہ ہو، شریعتِ اسلامیہ اس کی بالکل گنجائش نہیں دیتی بلکہ عورت کے مستقبل میں ازدواجی حقوق کی نگہداشت کے لیے نکاح میں اس کے خاندان کو بھی اہم ایک کردار تفویض کیا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جن خواتین کے نکاح میں اُن کے خاندان کی سرپرستی اور بعد ازاں دلچسپی و نگرانی برقرار رہتی ہے، وہ عورتیں زیادہ بہتر طور پر اپنے ازدواجی حقوق کا تحفظ کر سکتی ہیں۔

اگر کسی بھی وجہ سے مرد وزن میں نباہ کرنا مشکل ہو جائے تو اسلام اس تفریق زوجین کو سخت ناپسند قرار دینے کے باوجود اس کے موزوں طریقے بھی پیش کرتا ہے۔ اگر مرد نکاح کو ختم کرنا چاہے تو شریعتِ اسلامیہ نے اُس کے لیے طلاق کا طریقہ تجویز کیا ہے۔ اور اگر عورت کا کسی وجہ سے نباہ کرنا مشکل ہو جائے تو جبر اور غیریّت کے اس سلسلے کو طول دینے کی بجائے اللّٰہ تعالیٰ نے عورت کو خُلع کا حق دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان اختلاف کو پیدا کرنا شیطان کا مرغوب ترین مشغلہ بتایا، جو شخص میاں بیوی میں تفریق کی کوشش کرے، اس کو بدترین سزا کی وعید سنائی۔ شوہر کو یہ تلقین کی کہ حلال چیزوں میں ناپسند ترین شے طلاق ہے اور بیوی کو بتایا کہ کسی وجہ کے بغیر شوہر سے خلع کا مطالبہ کرنے والی جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی۔ ان تمام احتیاطی اقدامات کے باوجود اگر آپس میں اللّٰہ کی حدود کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے تو پھر طلاق و خلع کا راستہ دکھا دیا۔ مرد کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن دے کر، اسے عورت سے ایک درجہ بلند کر دیا [جس بندھن کے تقدس کی حفاظت کی تلقین نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی] اور عورت کو جذباتی مزاج ہونے کے ناطے، صرف طلاق بول دینے / مانگ لینے کی بجائے، اس امر کا پابند بنایا کہ وہ شوہر کو حق مہر واپس کر کے اس سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے، اور اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی سے رجوع کر کے اپنا حق خلع حاصل کر سکتی ہے۔ گویا زوجین کو مل جل کر رہنا چاہیے تاہم دونوں کا نباہ مشکل ہو جائے تو ہر دو کے لیے علیحدگی کا نظام موجود ہے، مرد کے لیے قدرے آسان اور عورت کے لیے کچھ تفصیل کے ساتھ، تاہم یہ حق ہر دو کے لیے شریعت ثابت و قائم رکھتی ہے!!

طلاق کو اللّٰہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے، اور زوجین میں افتراق کی اکثر و بیشتر صورتیں مرد کے اس اختیار کے ذریعے ہی پوری ہوتی ہیں۔ عورت کو اللّٰہ تعالیٰ نے حق خُلع دیا ہے جو وہ خود حق مہر / فدیہ کی پیش کش کر کے شوہر سے لے سکتی ہے۔ تاہم بعض ناگزیر صورتوں میں قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شوہر پر دباؤ ڈالے کہ وہ بیوی کو حق خلع دے۔ اور قاضی کا فیصلہ شرعی حیثیت رکھتا ہے جس پر عمل کرنا فریقین کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تفریق زوجین کا عام طریقہ بصورتِ طلاق تو مرد کے پاس ہے، طلاق ہمیشہ مرد ہی دیتا ہے۔ اور عورت مجبوری کی بعض صورتوں میں حق مہر / فدیہ کو ادا کر کے حق خلع بھی حاصل کر سکتی ہے جو طلاق کی بجائے افتراق (جدائی) ہے۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو رہا ہو تو بیوی قاضی کے اتفاق کے بعد شوہر پر دباؤ ڈال کر، حق مہر / فدیہ واپس

کر کے اپنا حق خلع حاصل کر سکتی ہے۔ قاضی اپنے اتفاق ر فیصلہ میں اس امکان کا جائزہ لیتا ہے کہ کیا یہ عورت امر واقعہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی یا یہ عورت کا محض جذباتی فیصلہ ہے۔ اگر خلع میں بھی شوہر کی رضامندی ضروری قرار دی جائے تو پھر عورت کے پاس افتراق کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

افتراق کے یہ دو طریقے ہوئے: طلاق اور خلع... جبکہ افتراق کا تیسرا طریقہ فسخ نکاح ہے جس کا فیصلہ قاضی اس صورت میں دیتا ہے جبکہ نکاح اپنی اصل سے ہی درست نہ ہو مثلاً رضاعی بھائی یا محرمات سے نکاح، عورت کا رضامندی کے بغیر نکاح وغیرہ۔ اس میں عورت کو حق مہر کی واپسی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ یا اس نکاح کو باقی رکھنا عورت کے لیے مشکلات کا باعث ہو جیسے مرد اپنی بیوی کے مالی ر نفقہ یا ازدواجی حقوق وغیرہ پورے کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے[1]۔ حقیقی فسخ نکاح اس صورت میں ہوتا ہے جب نکاح کے شرعی نظام میں خلل ہو اور زوجین کے لیے باہمی حقوق و فرائض بوجوہ پورے کرنا ممکن نہ رہیں۔ ذیل میں اس کی مزید تفصیلات ملاحظہ کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے، جس کا ہدف پاکستان کے مقصدِ قیام اور نظریے کے عین مطابق، اس ملک کو اسلامی نظام میں ڈھالنے کی تدبیر و سعی کرنا ہے۔ ضروری تھا کہ اس کی سفارشات و ہدایات کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہوتی تاکہ پاکستان تیزی سے اپنے مقصدِ قیام کی طرف پیش قدمی کرتا لیکن صد افسوس کہ ایک آئینی ادارہ اور ڈھانچہ ہونے کے باوجود اس کی سفارشات کی حیثیت، گزارش و تلقین سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، حتیٰ کہ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور کے بعد، ۳۰ سالہ عرصے میں کبھی اسلامی نظریاتی کونسل کی کسی سفارش کو پارلیمنٹ میں سرے سے زیر بحث ہی نہیں لایا گیا۔[2] جبکہ پاکستان کو حقیقی اسلامی مملکت میں ڈھالنے کے لیے یہ ادارہ ایک بنیادی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اہم کردار ادا کر سکتا تھا۔ بعض سیکولر حلقے پاکستان کے اسلامی مملکت ہونے کے مقصد سے اختلاف کرنے کی بنا پر اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں اور بعض اہل دین حضرات اس کی بے وزن سفارشات کی بنا پر اس کی ساخت و ہیئت کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تاہم ہر دو صورت کے باوجود ایک باوقار اور معتبر

---

۱ حافظ عبد اللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ ”جب خاوند نان نفقہ نہ دے یا دیگر حقوق ادا نہ کرے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کو تنگ کرے۔“ (فتاویٰ: ۳/۲۷۷) مزید بر آں خاوند نامرد ہو جائے تو شرعی حاکم نہ ہونے کی صورت میں پنچایت فسخ نکاح کا فیصلہ کرے۔ (ایضاً: ۳/۲۸۰)
مذکورہ بالا دونوں صورتیں حقیقی فسخ کی ہیں، اور ان صورتوں میں عورت کو حق مہر واپس کرنے کو نہیں کہا جائے گا۔

۲ بی بی سی انٹرویو چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بعنوان ”ریپ انگریزی کا لفظ ہے۔“

ومؤقر تاریخی وآئینی ادارہ ہونے کے ناطے اسکی سفارشات کی اہمیت ووقعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حال ہی میں کونسل نے نکاح وطلاق کے ایک اہم مسئلہ پر اپنے اجلاس نمبر ۱۹۹، منعقدہ ۲۶، ۲۷ مئی ۲۰۱۵ء میں بعض سفارشات پیش کی ہیں، جن پر میڈیا میں متخالف آرا سامنے آئی ہیں۔ 'عدالت کے ذریعے خلع کا حصول... موجودہ قانونی صورتِ حال اور درپیش مسائل... شرعی نقطہ نظر' کے زیر عنوان کونسل نے درج ذیل دو فیصلے منظور کیے:

"فیصلہ ۱: مروّجہ عدالتی خلع جس میں شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ ڈگری جاری کرتی ہے، درست نہیں۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور فسخ نکاح میں فرق کریں۔

فیصلہ ۲: شعبۂ ریسرچ خلع، فسخ، ایلا، لعان اور ظہار کی تعریفات پر مشتمل ایک دفعہ کا متن تیار کرے جو بعد ازاں قانون انفساخِ نکاح مسلمانان ۱۹۳۹ء میں شامل کیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا فیصلوں کا متن راقم نے کونسل کی ویب سائٹ سے باضابطہ طور پر جاری ہونے والی دستاویز سے لیا ہے، جبکہ روزنامہ 'جہانِ دنیا' نے اس سفارش کو ان الفاظ میں رپورٹ کیا:

"اسلامی نظریاتی کونسل نے خواتین کا خُلع کا صوابدیدی حق، غیر شرعی قرار دے دیا، نہ صرف یہ بلکہ طلاق کے لئے خاوند کی رضامندی بھی لازم قرار دے دی، جب کہ مسلم فیملی لاء کی شق آٹھ میں ترمیم کی سفارش بھی کرڈالی۔ کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی کہتے ہیں کہ جب تک خاوند طلاق کے لئے راضی نہ ہو، عدالتیں خواتین کو خلع نہ دیں۔"

روزنامہ ایکسپریس، لاہور نے ۲۸ مئی ۲۰۱۵ء کو اپنی خبر میں بتایا کہ

"اسلام آباد: اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی نے کہا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری جاری نہیں کرسکتی، عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے ۲ روز تک جاری رہنے والے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس کرتے ہوئے مولانا شیرانی نے کہا کہ عدالتیں خلع کے نام پر تنسیخ نکاح کے فیصلے دے رہی ہیں جو جائز نہیں، خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں۔ تفویض طلاق شرعاً درست ہے، تاہم واضح انداز میں ایک ایسی اضافی دفعہ تجویز کی جائے جس میں ایسا ابہام نہ ہو جس کی وجہ سے میاں بیوی میں اختلاف واقع ہو۔"

کونسل کی مذکورہ بالا سفارش کے بعد میڈیا میں بیانات شروع ہوگئے اور بہت سے لوگوں نے یہ کہنا

شروع کردیا کہ یہ سفارش عورت کے حق علیحدگی کے منافی ہے۔ اگر عورت براہِ راست اپنے شوہر سے حق مہر واپس کرکے یا عدالت کے توسط سے بھی اپنے شوہر سے علیحدگی حاصل نہیں کرسکتی تو پھر وہ کس طرح اپنے ناپسندیدہ شوہر سے جدا ہوسکتی ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے یہ حق عورت کو واضح طور پر دیا ہے۔ ذیل میں پہلے ہم اس مسئلہ کی شرعی و فقہی حیثیت کو واضح کرتے ہیں، پھر کونسل کی سفارش پر اپنا تبصرہ پیش کریں گے:

خلع... قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں

① خلع کے مشروع ہونے کی بنیاد درج ذیل آیتِ کریمہ ہے، جسے 'آیتِ خلع' بھی کہتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹﴾

"طلاقِ (رجعی) دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح سے اپنے پاس رکھا جائے یا بھلے طریقے سے اسے رخصت کردیا جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم اُنہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ اِلا یہ کہ دونوں میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کرسکیں گے۔ ہاں اگر وہ اس بات سے ڈرتے ہوں کہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کرسکیں گے تو پھر عورت اگر کچھ دے دلا کر اپنی گلو خلاصی کرا لے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ ہیں اللہ کی حدود، ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔"[1]

اس آیتِ کریمہ میں دو طلاقوں کا تذکرہ کرنے کے بعد بتایا گیا کہ اگر مرد طلاق دے تو مرد کے لیے اس سے حق مہر و ہدایا واپس لینا جائز نہیں، ہاں اگر عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے تو اسے فدیہ (حق مہر وغیرہ) دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

② صحیح بخاری اور سنن ابو داود وغیرہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

1 ترجمہ از مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر تیسیر القرآن زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

جَاءَتْ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلاَ خُلُقٍ، إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الكُفْرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَرَدَّتْ عَلَيْهِ، وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا[1]

”ثابت بن قیس بن شماس انصاری کی بیوی (جمیلہ بنت اُبی بن سلول، جو عبداللہ بن اُبیّ منافق کی بہن تھی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: ”یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس پر دینداری اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں لگاتی، مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان ہو کر (خاوند کی) ناشکری میں مبتلا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”اچھا، جو باغ ثابت نے تمہیں (حق مہر میں) دیا تھا، وہ واپس کرتی ہو؟“ وہ کہنے لگی: ”جی ہاں“ سو اُس نے باغ واپس لوٹا دیا، تو آپ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا اور اُس نے بیوی کو جدا کر دیا۔“

ثابت بن قیس کی اس مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بحیثیتِ قاضی، ثابت کی بیوی سے دریافت کیا، اور اس کی ناپسندیدگی کو جان لینے کے بعد حق مہر کو واپس کرنے کا کہا، پھر اس کے شوہر کو حکم دیا: اس کو جدا کر دو اور یہ تاریخ اسلام کا اوّلین خلع تھا۔ اس واقعہ خلع میں نہ تو شوہر کو طلب کیا گیا، نہ شوہر کی رضامندی کو دریافت کیا گیا، نہ اُسے طلاق دینے کا حکم ہوا۔ صرف عورت کی ناپسندیدگی، مطالبے اور حق مہر کی واپسی پر شوہر کو جدا کرنے کا پابند کر دیا گیا، سو شوہر نے اس کو جدا کر دیا۔ گویا نبی کریم ﷺ نے عورت کے حق خلع کو عدالتی دباؤ کے ساتھ شوہر پر نافذ کر دیا۔

صحیح بخاری کے اسی باب میں ذرا پہلے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْبَلِ الحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً»[2]

”(اے ثابت بن قیس!) اس سے باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔“

اس روایت میں شوہر کو حق مہر واپس لے کر ایک طلاق دینے کی تلقین بھی کی گئی۔ لیکن صحیح بخاری میں اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بخاری نے اس کے شاذ یعنی نامقبول ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ یعنی تمام راوی طلاق کے حکم کو مُرسل بیان کرتے ہیں، جبکہ ازہر بن جمیل نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ

---

1 صحیح بخاری: ۵۲۷۶، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ؛ سنن نسائی: ۳۴۹۳

2 صحیح بخاری: ۵۲۷۳، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ؟... طلاق کے حکم والے الفاظ پر امام بخاری یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ «لاَ يُتَابَعُ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ»... اس جملہ کی شرح میں شیخ مصطفیٰ البغا لکھتے ہیں: يعني أي لا يتابع أزهر بن جميل على ذكر ابن عباس في هذا الحديث

سے موصولاً بیان کیا ہے۔ ازہر بن جمیل کو اگر ثقہ بھی مان لیا جائے، تب بھی ان کا ابن عباس سے حکم طلاق کو موصولاً بیان کرنا سند میں شذوذ کہلائے گا جو دیگر ثقات کی مخالفت ہے۔ ازہر بن جمیل سے اس کے علاوہ صحیح بخاری میں کوئی اور روایت موجود نہیں[1]۔ اس طرح طلاق کے الفاظ بوجہ سند کے شاذ ہونے کے غیر مستند قرار پاتے ہیں۔ واقعہ خلع کی دیگر روایات جو سنن نسائی، المعجم الکبیر اور السنن الکبری از بیہقی میں ہیں، میں طلاق دینے کا حکم جس جس روایت[2] میں ملتا ہے، وہاں ازہر بن جمیل بصری ہی راوی ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيحِ عَنْ أَزْهَرَ بْنِ جَمِيلٍ، وَأَرْسَلَهُ غَيْرُهُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ[3] ''امام بخاری نے صحیح میں (حکم طلاق کو) ازہر بن جمیلؒ سے روایت کیا ہے، اور باقی رواۃ نے (حکم طلاق کو) خالد الحذاء سے مُرسل بیان کیا ہے۔''

اب خلع میں شوہر کو حکم طلاق کی روایت تو مرسل یعنی غیر مستند ٹھہری جبکہ کتبِ حدیث میں خلع کی جو حدیث ابن عباس سے صحیح سند سے مروی ہے، اس میں حکم طلاق موجود نہیں، دیکھیں صحیح بخاری اور السنن الکبریٰ وغیرہ[4]

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے خلع کا تذکرہ تین خواتین سے منسوب ہے: ایک جمیلہ بنت اُبی بن سلول، دوسری مریم مغالیہ اور تیسری حبیبہ بنت سہل[5]، جو سنن ابو داود، جامع ترمذی، موطا مالک وغیرہ میں مختلف الفاظ سے آیا ہے۔ حافظ ابن حجر مذکورہ احادیث کی تشریح میں فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یا تو ایک ہی خاتون کے مختلف نام ہیں، یا ثابت بن قیس سے خلع کے دو علیحدہ واقعات مروی ہیں۔[6]

---

۱ قال ابن حجر: وَلَمْ يُخْرِجْ عَنْهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْجَامِعِ غَيْرَ هَذَا الْمَوْضِعِ (فتح الباری زیر حدیث ۵۲۷۳)

۲ سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۴۶۳، المعجم الکبیر از طبرانی: ۱۱۹۶۹، سنن دار قطنی: ۳۶۲۸، السنن الکبری از امام بیہقی: رقم ۱۴۸۳۶ وغیرہ

۳ السنن الکبری از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الوجہ الذی تحل بہ الفدیۃ: رقم: ۱۴۸۳۸

۴ صحیح بخاری: ۵۲۷۶، السنن الکبری بیہقی: رقم ۱۴۸۳۶، ۱۴۸۳۷، المنتقیٰ از ابن جارود: ۷۵۰، المعجم الکبیر طبرانی: ۱۱۸۳۴

۵ سنن ابو داود: ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، باب فی الخلع

۶ حافظ ابن حجر حدیث نمبر ۵۲۷۳ کے تحت فتح الباری میں لکھتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: اخْتُلِفَ فِي امْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ فَذَكَرَ الْبَصْرِيُّونَ أَنَّهَا جَمِيلَةُ بِنْتُ أُبَيٍّ وَذَكَرَ الْمَدَنِيُّونَ أَنَّهَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ. قُلْتُ: وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّهُمَا قِصَّتَانِ وَقَعَتَا لِامْرَأَتَيْنِ لِشُهْرَةِ الْخَبَرَيْنِ وَصِحَّةِ الطَّرِيقَيْنِ وَاخْتِلَافِ السِّيَاقَيْنِ...

ایسی ہی بات قبل ازیں ابن تیمیہ بھی کہہ چکے ہیں: بأن هذا مما اختلفت فيه الرواية فإما أن يكونا قصتين أو ثلاثًا

پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے شوہر کو حکم دینے اور زوجین کے درمیان مفارقت کا ذکر ہے،
دوسری روایت میں طلاق دینے کا حکم ہے لیکن وہ روایت مُرسل رنامقبول ہے،
جبکہ سنن نسائی میں «خُذِ الَّذِي لَهَا عَلَيْكَ وَخَلِّ سَبِيلَهَا»[1] (اس کے پاس جو تیرا مال ہے، وہ واپس لے کر اُس کا راستہ چھوڑ دے) کے الفاظ ہیں۔
سنن ابو داود میں «خُذْهُمَا وَفَارِقْهَا»[2] (اس سے دونوں باغ لے لے اور اس کو جدا کر دے)،
السنن الکبریٰ میں «يَا ثَابِتُ! خُذْ مِنْهَا» فَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ اور فَأَمَرَهَا أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا[3] (اے ثابت! اس سے لے لے، سو اُس نے باغ واپس لے لیا اور وہ اپنے گھر بیٹھ گئی" اور "آپ نے عورت کو حکم دیا کہ ثابت کو واپس کردے اور دونوں کے درمیان تفریق کرادی) کے الفاظ آئے ہیں۔
واقعہ خلع کی اکثر روایات میں خلع کے الفاظ بھی مذکور ہیں، مثلاً:
أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.[5] "ثابت قیس کی بیوی نے اپنے شوہر سے دورِ نبوی میں خلع لے لیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ایک حیض عدت گزارے۔"

③ اس سے پچھلی حدیث میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ
اخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ[6]
"ربیع نے دور نبوی میں خلع لیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے کہا یا اُسے حکم دیا گیا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔"

④ ربیع بنتِ معوذ کے خلع کا ایک اور واقعہ عبادہ بن صامت کی درج ذیل روایت میں بھی موجود ہے:

وإما أن أحد الروايتين غلط في اسمها وهذا لا يضر مع ثبوت القصة فإن الحكم لا يتعلق باسم امرأته، وقصة خلعه لامرأته مما تواترت به النقول، واتفق عليه أهل العلم. (فتاویٰ: ۳۲/۳۲۹)

1 سنن نسائی: ۳۴۹۷، باب عدۃ المختلعۃ... قال الالبانی: صحیح
2 سنن ابوداؤد: ۲۲۲۸، باب فی الخلع
3 السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الوجه الذی تحل به الفدیة: رقم: ۱۴۸۴۷، ۱۴۸۴۰
4 قال ابن حجر: لَكِنْ مُعْظَمُ الرِّوَايَاتِ فِي الْبَابِ تَسْمِيَتُهُ خُلْعًا (فتح الباری زیر حدیث ۵۲۷۳)
5 سنن ترمذی: ۱۱۸۵م، باب ماجاء فی الخلع
6 سنن ترمذی: ۱۱۸۵، باب ماجاء فی الخلع

عَنْ رُبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَ: قُلْتُ لَهَا: حَدِّثِينِي حَدِيثَكِ، قَالَتْ: اخْتَلَعْتُ مِنْ زَوْجِي ثُمَّ جِئْتُ عُثْمَانَ، فَسَأَلْتُهُ مَاذَا عَلَيَّ مِنَ الْعِدَّةِ؟ فَقَالَ: "لَا عِدَّةَ عَلَيْكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَدِيثَةَ عَهْدٍ بِهِ، فَتَمْكُثِي حَتَّى تَحِيضِي حَيْضَةً". قَالَ: "وَأَنَا مُتَّبِعٌ فِي ذَلِكَ قَضَاءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَرْيَمَ الْمُغَالِيَّةِ، كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ".[1]

"ربیع بنت معوذ کو میں نے اپنا واقعہ بیان کرنے کو کہا تو کہنے لگیں: میں اپنے شوہر سے خلع لے کر سیدنا عثمان کے پاس آئی اور ان سے اپنی عدت کے بارے دریافت کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ "تجھ پر کوئی عدت نہیں، الایہ کہ ابھی تازہ معاملہ ہو تو اس کے پاس ایک حیض تک انتظار کر" اور فرمایا کہ میں اس میں نبی کریم ﷺ کے فیصلے کا پیروکار ہوں جو آپ نے مریم مغالیہ کے بارے کیا تھا جو ثابت بن قیس کی بیوی تھی اور اس نے ثابت سے خلع لے لیا تھا۔"

امام ابو عبید قاسم بن سلام کی روایت کے مطابق یہ دوسرا واقعہ عہدِ عثمان میں پیش آیا۔[2]

⑤ مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ

سَأَلَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ امْرَأَةٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا تَطْلِيقَتَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ أَيَتَزَوَّجُهَا؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "ذَكَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقَ فِي أَوَّلِ الْآيَةِ وَآخِرِهَا وَالْخُلْعَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَيْسَ الْخُلْعُ بِطَلَاقٍ، يَنْكِحُهَا"[3]

"ابراہیم بن سعد نے ابن عباس سے اس عورت کے بارے پوچھا جسے اس کے شوہر نے دو طلاقیں دی ہیں، پھر اس عورت نے خلع لے لیا، کیا وہ شخص اب اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے؟ تو ابن عباس نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے طلاق کو آیاتِ خلع (البقرۃ:۲۲۹، ۲۳۰) کے شروع اور آخر میں ذکر کیا ہے اور خلع کو دونوں کے درمیان۔ اور خلع طلاق نہیں ہوتی، وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول بروایتِ عکرمہ یوں بھی مروی ہے:

۱ سنن نسائی: ۳۴۹۸، باب عدۃ المختلعہ... قالہ الالبانی: صحیح

۲ فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَأَجَازَهُ... الناسخ والمنسوخ از قاسم بن سلام، رقم ۲۲۸

۳ السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الخلع هل هو فسخ او طلاق: ۳۱۶/۷، رقم ۱۴۸۶۳؛ مصنف عبد الرزاق: ۴۸۶/۶: رقم ۱۱۷۷۱، باب الفداء؛ سنن سعید بن منصور: ۱۴۵۵... اسنادہ صحیح

ما أجازه المال فليس بطلاق[1]

”جس (جدائی) کو مال جاری کرے، وہ طلاق نہیں ہوتی۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کی حتمی وضاحت بقول ابن خزیمہ یوں ہے کہ

إنه لا يثبت عن أحد أنه رأى الخلع طلاق[2]

”ان صحابہ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ خلع کو طلاق سمجھتے ہوں۔“

⑥ خلع کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف یہ تھا کہ اس کے بعد طلاق دینا بے فائدہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمَا قَالَا: فِي الْمُخْتَلِعَةِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا قَالَا: "لَا يَلْزَمُهَا طَلَاقٌ لِأَنَّهُ طَلَّقَ مَا لَا يَمْلِكُ[3]

”سیدنا ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جس خلع کرنے والی کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو اس کو طلاق نہیں لگتی کیونکہ شوہر نے وہاں طلاق دی جو اس کی ملکیت (نکاح میں) ہی نہیں ہے۔“

مصنف عبد الرزاق میں یہی اثر ان الفاظ سے ہے:

فَاتَّفَقَا عَلَى أَنَّهُ مَا طَلَّقَ بَعْدَ الْخُلْعِ، فَلَا يُحْسَبُ شَيْئًا، قَالَا: «مَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، إِنَّمَا طَلَّقَ مَا لَا يَمْلِكُ»[4]

”ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں متفق تھے کہ جس نے بھی خلع کے بعد طلاق دی تو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور دونوں کہتے: جس نے اپنی (خلع مانگنے والی) عورت کو طلاق دی تو اس نے وہاں طلاق دی جہاں اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔“

⑦ خلع کی صورت میں طلاق نہیں بلکہ افتراق یعنی جدائی ہوتی ہے، سیدنا ابن عباس سے مروی ہے:

"إِنَّمَا هُوَ فُرْقَةٌ وَفَسْخٌ، لَيْسَ بِطَلَاقٍ، ذَكَرَ اللهُ الطَّلَاقَ فِي أَوَّلِ الْآيَةِ وَفِي آخِرِهَا، وَالْخُلْعَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَيْسَ بِطَلَاقٍ[5]

---

١ مصنف عبد الرزاق: ٦/ ٤٨٦، رقم ١١٧٦٨، باب الفداء... اسنادہ صحیح

٢ تلخیص الحبیر از حافظ ابن حجر عسقلانی: ٣/ ٤٣٣، دار الکتب العلمیہ

٣ السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب المختلعة لا يلحقها طلاق: رقم ١٤٨٦٦

٤ مصنف عبد الرزاق: ٦/ ٤٨٧، رقم ١١٧٧٢، باب الطلاق بعد الفداء

٥ مصنف ابن ابی شیبہ: ٤/ ١١٨، رقم ١٨٤٥١، باب من كان لا يرى الخلع طلاقا

"خلع افتراق اور فسخ ہے، طلاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیاتِ خلع کے آغاز میں طلاق کو ذکر کیا اور پھر آخر میں اور خلع کو دونوں کے درمیان میں، جو کہ طلاق نہیں ہے۔"

اور بعض روایات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں ہیں:

إِنَّمَا هُوَ الْفِدَاءُ، وَلَكِنَّ النَّاسَ أَخْطَئُوا اسْمَهُ... لَيْسَ الْفِدَاءُ بِتَطْلِيقٍ[1]

خلع کو افتدا (فدیہ دے کر جدائی لینا) کہتے ہیں، لوگوں نے طلاق کا نام رکھ کر اس کے نام رکھنے میں خطا کھائی ہے.. افتدا طلاق نہیں ہوتا۔"

مذکورہ بالا روایاتِ حدیث میں بیوی کے شوہر سے علیحدگی کے مطالبے کو جُدائی کا حکم، راستہ چھوڑ دینے، گھر بیٹھ جانے اور خلع کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جبکہ خلع میں طلاق کا حکم ثابت شدہ نہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہوتی بلکہ خلع والی عورت کو طلاق دینا غیر محل میں طلاق دینے کے مترادف ہے، جو رائیگاں اور غیر مؤثر ہے۔ اگر خلع کو طلاق مانا جائے تو پھر آیاتِ خلع میں تین کی بجائے چار طلاقوں کو ماننا پڑے گا، جو ایک مضحکہ خیز بات ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ اوپر جن احادیث وآثار کو بیان کیا گیا، ان کے جو عنوانات محدثین نے قائم کیے ہیں، اس سے محدثین کے موقف کا بھی علم ہوتا ہے، مثلاً مصنف عبد الرزاق میں باب الطلاق بعد الفداء، باب من كان لا يرى الخلع طلاقًا، اور السنن الکبریٰ للبیہقی میں باب المختلعة لايلحقها طلاق، باب الخلع هل هو فسخ أو طلاق؟ وغیرہ

یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ احادیثِ خلع کے راوی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس کے باوجود وہ خلع کو طلاق نہیں مانتے، بلکہ اسے افتراق اور فسخ (لغوی لحاظ سے یعنی خاتمہ نکاح) قرار دیتے ہیں۔ اس کو طلاقوں میں شمار بھی نہیں کرتے، دو طلاقوں کے بعد خلع والی عورت کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ موقف کئی ایک روایات سے ثابت ہوتا ہے، جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان سے طلاق کے حکم والے الفاظ جو ازہر بن جمیل نے بخاری میں موصولاً بیان کیے ہیں، ازہر کا شذوذ ہی ہے جس کو دیگر ثقہ راویوں کے مقابلے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ حافظ عبد اللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن عباس نے باوجود راوی حدیث ہونے کے فسخ کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ کوئی کمزور دلیل نہیں

---

1 ...وَكَانَ يَقُولُ: ذَكَرَ اللهُ الطَّلَاقَ قَبْلَ الْفِدَاءِ وَبَعْدَهُ، وَذَكَرَ اللهُ الْفِدَاءَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَا أَسْمَعُهُ ذَكَرَ فِي الْفِدَاءِ طَلَاقًا قَالَ: وَكَانَ لَا يَرَاهُ تَطْلِيقَةً (مصنف عبد الرزاق: ۴۸۵/۶، رقم ۱۱۷۶۵، باب الفداء)

ہے۔ ابن عبد البر نے اگرچہ اس کو شاذ کہا ہے مگر حافظ ابن حجر نے اس کو ردّ کر دیا ہے۔ اور کہا کہ اس فتویٰ کی روایت کرنے والا طاؤس ہے، جو ثقہ، حافظ اور فقیہ ہے۔"[1]

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خلع کو فسخ کہنا شاذ نہیں کیونکہ ان کا یہ موقف کئی واقعات اور اسناد سے ثابت ہے، ان کے ساتھ دیگر صحابہ کا بھی یہی موقف ہے، اور بقول حافظ ابن حجر مستند روایات سے ثابت ہے۔ ان کے ایک سے زیادہ فتاویٰ میں یہی موقف بیان ہوا ہے، جن میں سے بعض اوپر ذکر ہوئے ہیں۔ جبکہ روایتِ بخاری میں طلاق دینے کا حکم شاذ ہے جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے۔

مذکورہ آیت واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ

① جب بیوی، شوہر سے حق مہر رفدیہ کی ادائیگی پر جدائی کا مطالبہ کرے تو اسے خُلع کہتے ہیں۔
② خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت کو شوہر کی طرف سے دیا ہوا حق مہر وغیرہ واپس کرنا ہوتا ہے۔
③ خلع عورت کا حق ہے جس کے لیے کسی معقول وجہ کے علاوہ محض خاوند کی ناپسندی اور اس کی ناشکری کا بھی قاضی کو اعتبار کرنا چاہیے، تاہم ایسی صورتِ حال امر واقعہ میں موجود ہونی چاہیے کہ حدود اللہ ٹوٹنے کا خوف ہو، نہ کہ صرف غلط بیانی، من پسندی اور خواہش نفس کی بنا پر بیوی اس کا مطالبہ کرلے، وگرنہ وہ عند اللہ سنگین وعید کی سزاوار ہوگی۔
④ عورت اگر شوہر کو خلع پر راضی نہ کرسکے تو قاضی سے رجوع کرے اور قاضی شوہر کو خلع (جدا کرنے) کا کہے اور عورت کے حق خلع کو نافذ کرادے۔
⑤ قاضی اس سلسلے میں شوہر کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند نہیں، اور حق مہر کی واپسی پر یکطرفہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ اور اسے خُلع ہی کہتے ہیں نہ کہ فسخ نکاح۔
⑥ خلع پر طلاق کے احکام لاگو نہیں ہوتے، اور خلع والی عورت کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔
⑦ خلع میں طلاق کی بجائے 'افتراق' یعنی جدائی ہوتی ہے اور اس میں نکاح ختم ہو جاتا ہے۔
⑧ خلع کی عدت ایک حیض ہے جس میں خاوند رجوع نہیں کرسکتا۔

فقہ حنفی اور خُلع

شرعِ اسلامی میں عورت کے لیے مرد سے علیحدگی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اور نظام بیان ہوا ہے،

---

1 فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۲۸۲/۳

جس کو خلع کہا جاتا ہے یعنی حق مہر / فدیہ دے کر جدائی حاصل کرنا۔ اس میں طلاق کا لفظ بولا جائے یا فسخ نکاح کا، بہر حال عورت کا حق علیحدگی مسلمہ ہے۔ اور یہ حق شریعتِ اسلامیہ نے اوّل روز سے ہی مسلم خواتین کو دیا ہے۔ اگر شوہر طلاق کا لفظ بولے یا حدیث نبوی میں یہ لفظ ثابت بھی ہو جائے تو یہ طلاق شرعی کی بجائے طلاق لغوی یا مجازی ہے جس کا معنی افتراق / جدائی ہے کیونکہ خلع کی صورت میں طلاق کے شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے بلکہ نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ یہ موقف علامہ ابن تیمیہ کا ہے جسے زاد المعاد میں حافظ ابن قیم نے بھی اختیار کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

... فمتى فارقها بعوض فهي مفتدية لنفسها به، وهو خالع لها بأي لفظ كان، لان الاعتبار في العقود بمعانيها لا بالألفاظ، وقد ذكرنا وبيَّنا أن الآثار الثابتة في هذا الباب عن النبي ﷺ وعن ابن عباس وغيره تدلُّ دلالة بيِّنة أنه خلع، وإن كان بلفظ الطلاق ...[1]

”جب بھی شوہر بیوی کو کسی فدیہ کے عوض جدا کرے تو گویا عورت اپنی ذات کا فدیہ دینے والی اور مرد اس عورت سے خلع کرنے والا ہے، چاہے الفاظ جو بھی ہوں۔ کیونکہ معاہدات میں لحاظ معانی کا ہوتا ہے، الفاظ کا نہیں۔ اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابن عباس سے صحیح مرویات اسی امر پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ یہ خلع ہی ہے، چاہے وہ طلاق کے الفاظ سے ہی کیوں نہ ہو۔“

حافظ عبد اللہ محدث روپڑی بھی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

”ممکن ہے کہ حدیث میں طلاق سے لغوی معنیٰ (مطلق چھوڑنا) مراد ہو، جیسے دوسری روایتوں میں خلّ سبیلها وفارقها وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں...“[2]

جبکہ فقہ حنفی میں خلع، عورت کا ایک مستقل حق ہونے کی بجائے دراصل مرد سے طلاق کا مطالبہ ہے اور ان کے نزدیک اس میں مرد کا طلاق کہنا ضروری ہے، اس میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے، اور اس کی عدت بھی تین حیض ہے، گویا خلع طلاق کے مترادف ہی ہوا، صرف اس میں عورت مرد سے طلاق مانگے گی۔ چنانچہ کونسل کے چیئرمین کہتے ہیں: خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔ گویا خلع

1 فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۲/ ۳۰۰

2 فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۳/ ۲۸۱

عورت کے بجائے مرد کا ہی حق ہے جو ایک عجیب بات ہے۔ اس بنا پر حنفی فقہ میں مرد اور عورت اگر باہمی رضامندی سے خلع کرلیں (یعنی مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے) تو اس کی تو گنجائش ہے، تاہم اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی سے حق خلع حاصل کرنے پر قادر نہیں۔ اور اسی بات سے اسلامی نظریاتی کونسل نے پاکستانی عدالتوں کو روکا ہے کہ

"مروّجہ عدالتی خلع جس میں شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ ڈگری جاری کرتی ہے، درست نہیں۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور فسخ نکاح میں فرق کریں۔"

نیز اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی نے کہا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری جاری نہیں کرسکتی، عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں... تفویض طلاق شرعاً درست ہے۔"

کونسل کی مذکورہ بالا سفارش میں تین باتوں کی تلقین کی گئی ہے:

① خلع صرف شوہر کی مرضی سے ہوتا ہے۔ خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔

② اگر عدالت میں خلع کا کیس دائر کیا جائے تو اس میں یک طرفہ فیصلہ درست نہیں اور اس صورت میں خلع کی بجائے فسخ نکاح ہوگا۔

③ عورت کو علیحدگی حاصل کرنے کے لیے تفویض طلاق کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

کونسل کی یہ تینوں سفارشات درج ذیل وجوہ کی بنا پر درست نہیں:

① یہ تعبیر قرآن کریم، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہ کے مخالف ہے اور فقہ حنفی کی ایک خاص تعبیر کو پروان چڑھانے کے مترادف ہے جس میں عورت کے حق خلع کی نفی مضمر ہے۔ بعض حنفی علما اور دیگر فقہائے کرام بھی اس خیال سے متفق نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو پاکستان میں پائے جانے والے تمام فقہی مکاتبِ فکر کا ترجمان ہونا چاہیے، اسے کسی ایک مخصوص فقہی تعبیر کو فروغ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

② کہا یہ جاتا ہے کہ خلع کے طریق کار کو آسان بنادینے سے زوجین میں علیحدگی کے امکانات میں اضافہ ہو جائے گا، مغربی تہذیب پروان چڑھے گی، اس لیے عدالتی خلع کا راستہ بند کیا جائے، اور تفویض طلاق یا فسخ نکاح کے راستے اختیار کیے جائیں۔ حنفی علما کی یہ منطق درست نہیں کیونکہ جو حق خواتین کو قرآنِ کریم اور واضح احادیثِ نبویہ نے دیا ہے، آزادی نسواں کے مغربی تصور کے نام پر خواتین سے وہ حق لیا نہیں جاسکتا اور شرعِ اسلامی سے مغربی تہذیب کبھی پروان نہیں چڑھ

سکتی۔ عدالتی خلع کے شرعی طریق کار سے زوجین میں جدائی کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، بلکہ تفویض طلاق کے اس غیر شرعی تصور سے جدائی کے امکانات وسیع تر ہوتے ہیں جسے حنفی فقہا نے اپنے تئیں پاکستانی قانون میں متعارف کرا رکھا ہے اور اب کونسل بھی اس کے فروغ کی سفارش کر رہی ہے کہ نکاح کے موقع پر مرد اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کر دے اور بیوی جب چاہے کسی حق مہر وغیرہ کی واپسی کے بغیر ہی اپنے لیے طلاق کا فیصلہ کر لے۔

④ خلع عورت کا حق ہے جسے فقہ حنفی میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ فقہ حنفی میں اس کی وہی صورت درست ہے جب خاوند راضی ہو، جبکہ اکثر شوہر اس بات سے راضی نہیں ہوتے، اس صورت میں بیوی اپنا یہ حق کیوں کر حاصل کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صحابیات کو یہ حق خلع خود لے کر دیا۔ تاہم فقہ حنفی میں جب عورت کے اس شرعی حق کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس کے لیے جدائی کا امکان پیدا کرنے کے لیے کبھی مساس بقصدِ شہوت اور کبھی تفویض طلاق کے حیلہ کو متعارف کرایا جاتا ہے، جو درست نہیں۔ جیسا کہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا شیرانی نے اپنے بیان میں تفویض طلاق کا راستہ دکھایا ہے اور مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> ''بعض ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن میں عورت کو مرد سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے اس سے طلاق یا خلع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکے۔ حنفی مذہب میں اس کے لیے بہترین طریقہ تفویض طلاق کا ہے۔ اگر نکاح کے آغاز میں اس طریقے کو اختیار کر لیا جائے تو ایسے حالات میں کوئی مشکل پیدا نہیں ہو سکتی۔''[1]

تفویض طلاق کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت شرائطِ نکاح میں مرد طلاق دینے کا اپنا حق عورت کو تفویض کر دے کہ عورت جب چاہے، مرد کو اس کے عطا کردہ حق کی بنا پر طلاق دے سکتی ہے۔ غور طلب امر ہے کہ اسلام نے عورت کو جدائی کا حق از خود بصورتِ خلع دیا ہے، جس میں اسے حق مہر واپس کرنا ہوتا ہے اور یہ حق آیت و احادیث سے ثابت ہے، جبکہ حنفی علما اس حق کو مرد سے مستعار لینے کی شرط عقدِ نکاح میں رکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اگر اس حق طلاق کی منتقلی کو مان لیا جائے تو کیا بغیر حق مہر ادائیگی کے میاں بیوی میں امکانِ طلاق سے افتراق زوجین کے امکانات میں اضافہ ہو گا، یا احادیث میں بیان کردہ طریق خلع پر عمل کرنے سے۔ واضح ہے کہ احادیث میں عورت کو

---

1 حیلہ ناجزہ از مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کا مقدمہ از مولانا تقی عثمانی: ص ۹

یہ حق بعض شرائط کے ساتھ دیا گیا ہے اور وہی عورت کی نفسیات سے زیادہ ہم آہنگ طریقہ ہے۔

ثانیاً، تفویض طلاق نکاح کی ایسی شرط ہے جو شرعی نظامِ نکاح میں بنیادی تبدیلی لانے والی ہے، اور ایسی شرطوں کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»[1]

"مسلمانوں کے لیے اپنی طے کردہ شرطوں کی پابندی ضروری ہے، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کردے۔ (ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی)"

سیدہ بریرہؓ کی آزادی کے بارے میں جب ان کے مالکان نے ایسی شرط لگائی جو آزادی اور ولاء کے نظام کو متاثر کرنے والی تھی تو نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا:

«مَا بَالُ رِجَالٍ یَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِي کِتَابِ اللهِ؟ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِي کِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ کَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»[2]

"لوگوں کا کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں؟ (یاد رکھو) جو شرط ایسی ہوگی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حق دار ہے (کہ اس کو مانا جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس کی پاسداری کی جائے) وَلاء اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا۔"

معلوم ہوا کہ نکاح میں شرطیں لگائی جاسکتی ہیں اور انہیں پورا کرنا چاہیے لیکن وہ ایسی نہ ہوں جس میں نظامِ شرعی کو ہی تبدیل کردیا جائے۔ مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا، امر باطل ہے۔ اس سے حکم شریعت میں تبدیلی لازم آتی ہے، مرد کا جو حق ہے وہ عورت کو مل جاتا ہے اور عورت جو مرد کی محکوم ہے، وہ حاکم (قوّام) بن جاتی ہے اور مرد اپنی قوّامیت کو (جو اللہ نے اسے عطا کی ہے) چھوڑ کر محکومیت کے درجے میں آجاتا ہے، یا بالفاظِ دیگر عورت طلاق کی مالک بن کر مرد بن جاتی ہے اور مرد عورت بن جاتا ہے کہ بیوی اگر اسے طلاق دے دے تو وہ سوائے اپنی بے بسی اور بے چارگی پہ رونے کے کچھ

---

۱ جامع ترمذی: ۱۳۵۲

۲ صحیح بخاری: ۲۱۶۸

نہیں کر سکتا۔ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ "[1]

ثالثاً: تفویض نکاح کے حیلہ کے غلط ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام میں عقدِ نکاح مرد کے ہاتھ میں ہے، اور وہ اکثر و بیشتر صورتوں میں مرد کے پاس ہی رہتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ

﴿بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ...﴾[2] "اس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «... إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ»[3]

"طلاق وہی دے سکتا ہے جو پنڈلی پکڑنے کا مجاز ہے۔"

یعنی اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اس کے شوہر کو ہی حاصل ہے۔ اب طلاق دینے کا حق تو مرد کے پاس ہی ہے البتہ عقد نکاح، مرد کے ہاتھ میں ہونے کا قرآنی حکم عام ہے اور حدیثِ خلع اس کو خاص / محدود کرنے والی ہے۔ یعنی جب عورت حق مہر دے کر اپنے سے لباس نکاح کو اُتار نا رکھنچنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے اور یہ طلاق نہیں بلکہ افتراق یا فُرقة کہلاتا ہے جس میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خلع کے حکم کے لیے یہ اصطلاح صحابہ کرام اور فقہا نے استعمال[4] کی ہے۔ گویا عورت کا حق خلع، مرد کے حق طلاق کے مقابل ہے جس میں عورت کو حق مہر کی واپسی اور بعض اوقات قاضی کی مدد / فیصلے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔

جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو چاہے کوئی مرد طلاق کو اپنی عورت کو تفویض بھی کردے تو تفویض کر دینے میں مرد کا عمل ہی بنیاد اور اساس ہے، اور پھر طلاق کی تعداد و کیفیت بھی وہی ہو گی جو مرد کی نیت میں ہے، اگر مرد کی نیت طلاقِ رجعی کی ہے تو تفویض طلاق کے باوجود طلاقِ رجعی ہی واقع ہو گی۔ گویا ظاہری تفویض طلاق کے باوجود یہ طلاق دراصل مرد ہی عورت کو دیتا ہے۔ نکاح میں تخییر، توکیل اور مصالحت کی صورتوں میں مرد ہی عقدِ نکاح کا مالک رہتا ہے۔ مذکورہ بالا مسائل کی مزید تفصیلات محدث میں شائع شدہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے مضمون میں ملاحظہ[5] کی جاسکتی ہیں۔

---

1 "عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!" ماہ نامہ محدث شمارہ ۳۶۱، ص ۶۲

2 سورۃ البقرۃ: ۲۳۷

3 سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۰۸۱ ... علامہ البانی نے ارواء الغلیل: ۲۰۴۱ میں اسے حسن کہا۔

4 دیکھیں پیچھے گزرنے والی احادیث خلع میں نبی کریم ﷺ کے شوہر کو احکام، صحابہ کے فتاویٰ کے الفاظ، جبکہ فقہا کی تعریفات اور مزید اقوالِ صحابہ اگلی قسط میں ملاحظہ کریں۔

5 "عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!" ماہنامہ محدث شمارہ ۳۶۱ ص ۶۲ تا ۷۰

طلاق تفویض کی مخالفت کرتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کے کلیہ علوم اسلامیہ کے ڈین ڈاکٹر شکیل اوج جو حنفی بریلوی ہیں، لکھتے ہیں:

"تفویض طلاق میں گرہِ نکاح عورت کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، اور وہ حق طلاق کو خود ہی اپنے خلاف استعمال کر کے اپنے شوہر سے الگ ہو جاتی ہے۔ گویا خود ہی طالقہ اور خود ہی مطلقہ بھی یعنی فاعلہ بھی خود اور مفعولہ بھی خود، یہ بالکل ایسے ہی بات ہے کہ کوئی شخص خود اپنے آپ سے نکاح کر لے، گویا خود ہی ناکح ہو اور خود ہی منکوحہ۔ ذرا سوچیے کہ تفویض طلاق کی صورت حال کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ کوئی ہے جو اس پر غور کرے۔"[1]

نکاح کی گرہ کے مرد کے ہاتھ میں ہونے کے مزید دلائل درج کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

"تفویض طلاق کو سمجھنے کے لیے خلع کے قانون کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک خلع کا قانون اپنی فطرت اور اصل میں تفویض طلاق کے قانون کا نقیض ہے۔"

یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض اس بنا پر ہیں، کیونکہ تفویض طلاق تو مرد کے دیے ہوئے حق کو اس کی عطا کردہ حدود میں استعمال کرنا ہے جبکہ خلع عورت کا اپنا حق ہے جو عام قرآنی حکم سے خاص کرتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جب خلع میں مرد و عورت دونوں کے مابین رضامندی ہو جائے، وہاں تک تو کوئی مسئلہ نہیں۔ البتہ اگر شوہر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو تو عورت اپنا حق علیحدگی قاضی کے ذریعے حاصل کرے گی۔ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(ان احادیث سے) معلوم ہوا کہ خاوند کی طرف سے اگرچہ عورت کے حق میں کوتاہی نہ ہو، لیکن عورت کو جب کسی وجہ سے طبعی نفرت ہو جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتی تو وہ [قاضی سے] خلع کرا سکتی ہے۔"[2]

④ احادیثِ نبویہ میں قاضی کے دباؤ پر یک طرفہ ڈگری کو خلع کہا گیا، چاہے وہ شوہر کی رضا سے ہو، یا اس پر دباؤ کے ذریعے قاضی اس حق کو حاصل کر کے دے۔ اب حنفی علما کہتے ہیں کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر ہونے والے خلع کو خُلع نہ کہا جائے بلکہ فسخ نکاح کہا جائے، تو یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے شوہر کو حکم دیا اور دونوں نے جدائی

---

1 ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، دار المصنفین، انڈیا... جنوری ۲۰۰۷ء صفحات ۲۳ تا ۳۴ ملخصاً بحوالہ ماہنامہ محدث، ستمبر ۲۰۱۳ء، شمارہ ۳۶۲، ص ۶۸

2 فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۲۸۳/۳

اختیار کرلی اور اسے خلع ہی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پیچھے مذکور احادیث ثابت بن قیس اور رُبیع بنت معوذ (نمبر ۵، ۴، ۳) میں اسے اختَلَعَت یعنی خلع کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور دونوں واقعات میں خلع کو قاضی کے ذریعے نافذ کیا گیا تھا۔ قاضی نے عورت کی ناپسندیدگی کا جائزہ لیا، حق مہر کی واپسی کا وعدہ لیا اور شوہر سے مرضی دریافت کیے بغیر خلع کرا دیا۔

واضح رہنا چاہیے کہ اگر عورت جدائی کے لیے حق مہر واپس کرے گی تو قاضی کے کہنے پر شوہر علیحدہ کرے، یا قاضی کی نوبت ہی نہ آئے اور رضامندی سے گھر بیٹھے شوہر علیحدگی پر آمادہ ہو جائے، ہر دو صورت میں یہ خلع ہی ہے۔ احناف کا رضامندی والی صورت کے خلع پر طلاق کے احکام جاری کرنا بھی غلط ہے اور قاضی کے دباؤ والی صورت پر فسخ کے کامل احکام جاری کرنا بھی درست نہیں۔ خلع کی یہ دونوں صورتیں دراصل افتراق ہیں، خلع کی دونوں صورتوں پر طلاق یا فسخ کے الفاظ کا استعمال مجازی ہے۔ یہاں طلاق یا فسخ سے مراد نکاح کا خاتمہ اور میاں بیوی کے مابین علیحدگی ہے۔

خلع کی عدالتی صورتوں کو خلع کے بجائے فسخ کہنا احادیث کی مخالفت ہے اور اس کی رضامندی والی صورت میں طلاق کے احکام جاری کرنا بھی زیادتی ہے کیونکہ ہر وہ خلع جس میں عورت مطالبہ کرے اور حق مہر / فدیہ دے تو اس میں جدائی حاصل ہو جائے گی اور طلاق کے الفاظ بولے بھی جائیں تب بھی وہاں طلاق کے مکمل احکام جاری نہیں ہوں گے۔ بطورِ مثال اگر شوہر رضامندی سے گھر بیٹھے بیوی کو حق مہر وصول کر کے خلع دے دیتا ہے تو کیا اس عورت سے وہ رجوع کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ وہ طلاق نہیں بلکہ خلع ہے۔ اور کیا وہ عورت تین ماہ کی عدت گزارے گی؟ ظاہر ہے کہ نہیں بلکہ صرف ایک ماہ کی عدت گزارے گی جو خلع والی عورت کی عدت ہے۔ اور نہ ہی خلع پر فسخ کے کلی / حقیقی احکام جاری ہوں گے، کیونکہ حقیقی فسخ میں حق مہر واپس کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے خلع کی ہر دو صورت پر طلاق اور فسخ کے الفاظ کا استعمال لغوی اور مجازی ہے۔ پتہ چلا کہ

① عورت کو علیحدگی کا شرعی طریقہ ہی اختیار کرنا چاہیے، نہ کہ تفویض طلاق جیسے غیر شرعی حیلے

② عورت اگر حق مہر دے کر جدائی لیتی ہے تو شرعاً اس کو خلع کہتے ہیں۔ چاہے وہ گھر بیٹھے ہو یا عدالت کے ذریعے عورت حق خلع حاصل کرے۔

③ خلع کی ہر صورت میں عورت کا حق علیحدگی مسلمہ ہے، تاہم زوجین میں نفرت یا حدود اللہ کے ٹوٹنے کے خوف کا موجود ہونا ضروری ہے۔

④ خلع پر افتراق کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ خلع کی صورتیں چاہے طلاق کے الفاظ سے ہوں، تاہم کسی صورت میں اس سے طلاق مراد نہیں ہوتی کیونکہ طلاق مرد دیتا ہے، اور خلع عورت لیتی ہے۔ اور نہ اس پر فسخ کے کلی احکام لگتے ہیں کیونکہ حقیقی فسخ میں حق مہر واپس کرنا ضروری نہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی تینوں سفارشات قرآن وحدیث سے عدم مطابقت اور ایک مخصوص فقہی موقف کی ترجمانی کی بنا پر قابل اصلاح ہیں۔ ان میں عورت کے حق خلع کی نفی کی گئی ہے کیونکہ زوجین کی رضامندی والے خلع میں (اسے شوہر کے ہاتھ میں دے کر) طلاق کے احکام جاری کر دیے گئے ہیں، تو یہ خلع کے شرعی تقاضوں کی نفی ہوئی۔ اور عدالت کے ذریعے خلع کو فسخ کا نام دے دیا گیا اور اسے قاضی کے ہاتھ میں کر دیا گیا ہے، جبکہ عورت سے حق مہر بھی واپس لیا جا رہا ہے تو یہ بھی شرعی خلع نہ ہوا۔ پھر جب عورت کا حق افتراق باقی نہ رہا تو عورت کو یہ حق دینے کے لیے اپنے پاس سے طلاق تفویض تجویز کر دی گئی جو پھر دراصل مرد کا ہی حق طلاق ہے اور نظام نکاح میں اساسی تبدیلی کا موجب ہے، اس بنا پر یہ تینوں پہلو ہی توجہ طلب ہیں۔ عملاً احناف کے ہاں افتراق زوجین کے دو ہی طریقے (طلاق وفسخ) مشروع ومؤثر ہیں جس سے بعض حنفی علما بھی اتفاق نہیں کرتے۔ اس سلسلے کی مزید تفصیل کے لیے دوسری قسط کا انتظار کریں جس میں واضح کیا جائے گا کہ طلاق، خلع اور فسخ میں باہمی کیا کیا فروق ہیں، اور خلع پر طلاق کے احکام جاری نہیں ہوتے، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے؟ اس سلسلے میں قاضی / عدالت کے اختیارات کیا ہیں اور انکی شرعی بنیاد کیا ہے؟

اسلامی نظریاتی کونسل کو چاہیے کہ اپنی سفارشات میں تمام فقہی رجحانات کو پیش نظر رکھیں، قرآن واحادیث سے قریب تر رہا جائے اور اپنی فقہی تعبیر کو زیادہ محتاط ومتوازن بنایا جائے۔ کونسل میں عنقریب خلع، فسخ اور لعان وغیرہ پر تحقیقی کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس میں مذکورہ بالا آرا کو بھی پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔ ہماری معروضات میں بہت سی ایسی مشترک باتیں ہیں جن کو سامنے رکھ کر ایک متفقہ موقف تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اسلامی معاشرت کو قائم کرنے، بچانے اور خدمتِ اسلام کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)